

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اشارات

”ایک دو سال کا خوبصورت بچہ بخار اور درد و قہقہ میں مبتلا تھا۔ اس کی تکلیف اور اضطراب کو سخت سے سخت دل انسان بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ رفع تکلیف کے لیے کبھی وہ اپنے ماں باپ کی طرف دیکھتا اور کبھی ڈاکٹر کے سامنے کر دوی کی سی دو اکے لیے منہ کھولتا۔ اسی تکلیف میں ایک دن رات رہ کر وہ ہمیشہ کے لیے اپنے ماں باپ سے رخصت ہو گیا۔ اس کو کرب اور نزع کی حالت میں دیکھ کر دل میں سوال پیدا ہوا کہ رب رحیم و کریم جو رافت اور شفقت کا منبع ہے، چھوٹے اور معصوم بچوں پر مصائب اور تکالیف کیوں وار کرتا ہے؟ حالانکہ وہ خود کہتا ہے کہ مَا أَنَا بِظَلَمٍ لِّلْعَبِيدِ۔ اس میں شک نہیں کہ معصوم بچے لپٹے صابر ماں باپ کے لیے قیامت کے دن شافع اور موجب ثواب ہوں گے۔ مگر سوال یہ ہے کہ ان کو یہ تکلیف کس پاداش میں ملی اور وہ دوسروں کے قائمہ کے لیے خود کیوں نہتہا میں مبتلا ہوں؟ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ“

یہ ایک کرم فرما کے خدا کا اقتباس ہے۔ جو سوال ان کے دل میں پیدا ہوا ہے 'قریب قریب وہی سوال مختلف صورتوں میں ہر ایسے موقع پر لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے، جب وہ موت، اور بیماری، اور نزول آفات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ وہاں ہزاروں آدمیوں کا انتہائی بے کسی کی موت مرنا، زلزلہ میں ہزار ہا گھروں کا تباہ ہونا، سیلاب میں لوگوں کا بے اندازہ مصائب و شداید سے دوچار ہونا، مختلف قسم کی موزی بیماریوں میں لوگوں کا سخت کرب و اذیت کے ساتھ تڑپنا، غرض مصیبت اور درد و الم کا ہنظارہ انسان کے دل میں آپ سے آپ یہ سوال پیدا کر دیتا ہے کہ وہ خدا جو رؤف اور رحیم ہے، اور وہ خدا جو اپنی ربوبیت اور اپنے کرم و فضل پر ناز رکھتا ہے، اور وہ خدا جو خود کہتا ہے کہ میں ظالم نہیں ہوں، آخر اپنے بندوں پر یہ سختیاں کیوں نازل کرتا ہے؟ اور خود اپنی ہی بنائی ہوئی مخلوق کو جسے خود اُسی نے درد و الم کا احساس دیا ہے، اس طرح مصائب و آلام میں کس لیے مبتلا کرتا ہے؟ بعض لوگ تو اس مسئلہ میں یہاں تک بڑھ جاتے ہیں کہ قہر خداوندی کے ان آثار کو حق تعالیٰ کی صفت رافت و رحمت منافی سمجھنے لگتے ہیں، اور انھیں گمان ہونے لگتا ہے کہ معاذ اللہ خدا ایک اندھی طاقت ہے جس کی کوئی کی راحت و اذیت کا کچھ علم نہیں۔ وہ یوں ہی

Blind force

بلکسی علم کے بنانے اور توڑنے پھوڑنے میں مشغول ہے۔

جن لوگوں نے کائنات کے نظم اور ملکوت ارض و سما پر غور کیا ہے وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ کائنات علیحدہ علیحدہ متعلقہ اجزاء پر مشتمل نہیں ہے بلکہ وہ ایک کل ہے جس کے تمام اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں، اور زمین کا ایک ذرہ سنج اور عطار رو کے ذرات سے ویسا ہی تعلق رکھتا ہے جیسا میرے سر کا ایک بال میرے ہاتھ کے ایک روشنگے سے رکھتا ہے، گویا پوری کائنات ایک جہد واحد ہے، اور اس کے اجزاء میں باہم ویسا ہی ربط ہے جیسا ایک جسم کے اجزاء میں ہوتا ہے

پھر جس طرح کائنات کے اجزاء میں ربط اور تسلسل ہے، اسی طرح ان واقعات میں بھی ربط و تسلسل ہے جو کائنات میں پیش آتے ہیں۔ دنیا کا کوئی چھوٹا یا بڑا واقعہ بجائے خود ایک مستقل واقعہ نہیں ہے، بلکہ وہ تمام کائنات کے سلسلہ واقعات کی ایک کڑی ہے اور اس کلی مصلحت کے تحت صادر ہوتا ہے جس کی بیش نظر رکھ کر خداوند عالم اپنی اس غیر محدود سلطنت کو چلا رہا ہے۔ اب یہ امر قابل غور ہے کہ جس شخص کی نظر پوری کائنات پر نہیں ملکہ اس کے ایک ایسے حقیر حصے پر ہے جس کو کل کے ساتھ اتنی نسبت بھی نہیں جتنی ایک ذرہ کو آفتاب کے ساتھ ہوتی ہے، اور جس شخص کے سامنے واقعات عالم کا پورا سلسلہ نہیں ہے بلکہ اس سلسلے کی بے حد و حساب کڑیوں میں سے محض ایک دو یا چند کڑیاں ہیں، اور جو شخص کائنات کے اس حقیر حصے اور واقعات کی ان چند کڑیوں میں بھی صرف ظاہری سطح کو دیکھ رہا ہے، باطنی حقائق تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ اس کے پاس نہیں، کیا ایسا شخص کسی جزئی واقعے کو دیکھ کر اس کی حکمت و مصلحت کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے کا اہل ہو سکتا ہے؟ اور اگر وہ کوئی رائے قائم کرنے کی جرات بھی کرے تو کیا اس کی رائے صحیح ہو سکتی ہے؟

کائنات کا نظام اور خدا کی خدائی تو خیر اس قدر وسیع ہے کہ اس کے تصور ہی سے ہمارا ذہن تھک جاتا ہے، لیکن آپ ایک چھوٹے پیمانے پر کسی انسانی سلطنت ہی کو لے لیجیے۔ جو شخص کرسی و وزارت یا تخت شاہی پر بیٹھا ہوا ایک بڑی سلطنت کا انتظام کر رہا ہے، وہ بھی اُتر چہ ہماری ہی طرح کا ایک انسان ہے، اور فطری استعداد کے لحاظ سے ہمارے اور اس کے درمیان کوئی زیادہ بڑا فرق نہیں ہے، نیز اس کے جتنے معاملات ہیں، ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کو سمجھنے اور انجام دینے کی قوت و استعداد ہم میں نہ ہو لیکن محض یہ فرق کہ وہ کرسی حکومت پر سے تمام سلطنت کے نظم و نسق کو دیکھ رہا ہے، اور ہم ایک گوشے میں اس نظم سے بالکل بے تعلق بیٹھے ہوئے ہیں، ہمارے اور اس کے درمیان اتنا

عظیم تفاوت پیدا کر دیتا ہے کہ ہم بالفعل اس کے معاملات کو نہیں سمجھ سکتے، اور اگر کوئی جزئی واقعہ ہمارے سامنے آتا ہے تو ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کی غایت و مصلحت کیا ہے۔ پھر جب انسان اور انسان کے درمیان محض پوزیشن کے فرق سے اتنا تفاوت واقع ہو جاتا ہے، تو غور کیجیے کہ انسان اور خدا کے درمیان کتنا تفاوت ہوگا۔ درانحالیکہ یہاں محض پوزیشن کا نہیں، حقیقت کا فرق عظیم ہے۔ وہ تمام عالم پر سلطنت کر رہا ہے، اور ہم اس کی سلطنت کے ایک نہایت حقیر گوشے میں بیٹھے ہیں۔ اس کی دانش و نیش سارے عالم پر حاوی ہے، اور ہماری دانش و نیش کی رسانی خود اپنے جسم کی اپنی حقیقتوں تک بھی نہیں۔ اس کی طاقتیں بے پایاں ہیں، اور ہمارے پاس ان میں سے کوئی طاقت بھی نہیں اگر اس تفاوت عظیم کے باوجود اس کے کاموں پر ہم تنقید کریں اور ان کی حکمت و مصلحت کے متعلق کوئی رائے کریں تو کیا یہ تنقید اس تنقید سے کہ درجہ زیادہ جاہلانہ نہ ہوگی جو ایک گنوار پی جھوٹری میں بیٹھ کر سلطنتِ طانیہ کے معاملات پر کرتا ہے۔

اس سے بھی زیادہ واضح ایک اور مثال لیجیے فرض کیجیے کہ آپ ایک باغبان ہیں۔ جو باغ آپ نے بڑی محنت سے لگایا ہے، اور جس کی ترتیب و تزئین میں آپ نے اپنی پوری جہارت صرف کر دی ہے، اس کے درختوں اور پودوں اور بیلوں سے یقیناً آپ کو محبت ہوگی۔ آپ ان کی حفاظت میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھیں گے۔ ان کو بے ضرورت کاٹنا چھانٹنا یا اکھاڑ پھینکنا آپ کبھی پسند نہ کریں گے اور اگر کوئی غیر آکر ان پر تیشہ چلائے تو آپ کو سخت ناگوار ہوگا۔ پھر آپ کو علمی طریق سے یہ بھی معلوم ہے کہ نباتات میں بھی راحت اور اذیت، رنج اور خوشی کا احساس ہوتا ہے، اور آپ جانتے ہیں کہ اگر درختوں اور پودوں پر قینچی یا کلہاڑی چلائی جائے تو ان کو بھی تکلیف ہوتی ہے اور اپنے اعضا کے کٹنے اور اپنے بچوں (پھلوں) سے جدا ہو جانے کا رنج ہوتا ہے۔ لیکن اس محبت اور اس علم کے باوجود آپ غیور ہیں اور باغ کی کلی مصلحت کا لحاظ کر کے اپنے باغ میں تراش تراش کھرتے ہیں۔ پتیوں اور باغوں کو کاٹتے

چھانٹتے ہیں، پودوں کو تراش کر ٹکڑیاں لگاتے ہیں، سبزی کو کاٹ کر ہموار کرتے ہیں، کچے اور پکے چل
 حسب ضرورت اتار لیتے ہیں، کھلے اور بن کھلے پھول توڑ لیتے ہیں، غیر ضروری پودوں کو اکھاڑتے
 ہیں، اور سوکھے ہوئے درختوں کو کاٹ بیٹھکتے ہیں۔ اگر درختوں اور پودوں اور بیل بوٹوں کے
 نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ سب کچھ سراسر ظلم ہے۔ اگر ان میں گویائی ہوتی تو وہ کہتے کہ یہ باغبان
 کیسا بے دردا اور ظالم ہے کہ ہمارے اعضاء کی قطع و برید کرتا ہے، ہمارے بچوں کو ہم سے چھین لیتا
 ہے، چھوٹے چھوٹے پودوں کو جنھوں نے ابھی زندگی کی ایک بہا بھی نہیں دیکھی تھی، اکھاڑ پھینکتا
 ننھی ننھی کلیوں کو توڑے جاتا ہے، نہ بوڑھوں کو دیکھتا ہے نہ بچوں اور جوانوں کو۔ بس کلٹنے سے
 کام ہے، اور کبھی تو ظالم ایک مشین نے کڑی طرح پھرتا ہے کہ ہماری برادری کے ہزاروں افراد کا
 بیک وقت صفایا کر ڈالتا ہے۔ کیا ایسا شخص شفیق و مہربان ہو سکتا ہے؟ کیا اس کے دل میں
 محبت اور رحمت و رافت کے پاکیزہ جذبات ہو سکتے ہیں؟ ہم تو اس کی کانٹا چھانٹ اور اکھیڑ
 بچھاڑ میں کوئی مصلحت بھی نہیں دیکھتے۔ ہمیں تو یہ ایک اندھولے حس، سنگ دل وجود معلوم ہوتا
 ہے جو بغیر کسی علم و حکمت، مصلحت اور غرض و غایت کے کبھی ہم کو پانی دیتا ہے، اور کبھی ہم پر
 پتھر چلاتا ہے، کبھی ہم کو کھا دیتا ہے، اور کبھی ہمیں کلہاڑی سے کاٹ پھینکتا ہے، کبھی دوسرے
 سے ہماری حفاظت کرتا ہے، اور کبھی ہمیں خود اپنے ہاتھوں اکھاڑ ڈالتا ہے، کبھی بیماریوں میں
 ہمارا مدد کرتا ہے، اور کبھی خود ایک مشین نے کرہا قتل عام کر دیتا ہے۔

اگر درخت، آپ کے انتظام پر یہ نکتہ چینی کریں تو آپ کیا کہیں گے؟ یہی ناکہ ان کی
 نظر محدود ہے، وہ صرف اپنے وجود اور اپنے قریبی تعلقات کو دیکھتے ہیں، مگر میری نظر وسیع ہے۔ میں
 باغ کی کلی مصلحت کو دیکھتا ہوں، وہ صرف اپنے پھل پھول، پتوں اور شاخوں سے لچھی رکھتے ہیں،

بہت برے تو اس پاس کے پودوں اور درختوں سے محبت اور ہمدردی کے تعلقات پیدا کر لیے مگر میرے پیش نظر پودے باغ کی بصری ہے اور میں مجموعی طور پر سب کی صلاح حال کے لیے عمل کر رہا ہوں ہر نادان درخت اور پودے اس پودے کو سمجھ رہا ہے کہ یہ سارا باغ صرف اس کی ذات اور اس کے دوستوں اور عزیزوں کے لیے لگایا گیا ہے اور باغ میں اس کا مفاد قابل لحاظ ہے لیکن میں نے دراصل ان کو باغ کے لیے لگایا ہے اور ان کی ذات کے محکوم کو سمجھ رہی ہے باغ کی خاطر ہے جس حد تک باغ کی بہتری کے لیے مناسب اور ضروری ہے میں ہر درخت اور ہر پودے اور ہر پل بوٹے کی حفاظت اور پرورش کرتا ہوں۔ مگر جب باغ کی مصلحت متقاضی ہوتی ہے تو میں ان میں کاٹ چھانٹ، تراش فراش، اور اکھیر بچاڑ سب کچھ کرتا ہوں، کیونکہ باغ کا مجموعی مفاد میرے نزدیک ہر پودے اور ہر درخت اور پل بوٹے کے شخصی مفاد سے زیادہ قیمت رکھتا ہے۔ یہ گمان کرتے ہیں کہ میں دشمنی کی راہ سے ان پر ہاتھ صاف کرتا ہوں، لیکن یہ شخص ان کی نادانی اور تنگ خیالی ہے۔ ان میں اتنی صلاحیت نہیں کہ باغ کے معاملات اور اس کے مصالح کو سمجھ سکیں ان کے پاس صرف اپنی تکلیف کا احساس اور اپنی راحت اور زندگی کی خواہش ہے۔ جب ان کی خواہشات اور احساسات کو صدمہ پہنچتا ہے، تو یہ بے صبر ہو جاتے ہیں اور مجھ پر ظالم ہونے کا شبہ کرنے لگتے ہیں۔ مگر حقیقت ان کے گمان باریع نہیں ہے، ان کے سمجھنے سے میں دور حقیقت ظالم نہیں ہو سکتا۔ اور ان کی خاطر میں اپنے باغ کے انتظام کو نہیں بدل سکتا۔

اس چھوٹی سی مثال کو جب آپ پھیلا کر دیکھیں گے تو آپ کو اپنے بہت گلوں شکووں کا جواب مل جائے گا۔

کائنات کے نظم پر جب ہم غور کرتے ہیں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ اس زبردست کارخانے کو بنانے اور چلانے والا یقیناً ایک ایسا وجود ہونا چاہیے جو کمال درجہ حکیم و دانا اور حکیم و بخیر ہو۔

جس نے ہم میں خواہشات پیدا کی ہیں، ممکن نہیں کہ وہ ہماری خواہشات سے بے خبر ہو جس نے ہمیں احساسات پیدا کیے ہیں، ممکن نہیں کہ وہ ہمارے احساسات سے ناواقف ہو جس نے بچے کو پیدا کیا ہے، اور بچے کی پرورش کے لیے ماں کے دل میں محبت پیدا کی ہے، وہ ضرور جانتا ہے کہ بیماری اور موت سے بچے کو کیا تکلیف ہوتی ہے اور ماں باپ کے دل کو کیا صدمہ پہنچتا ہے لیکن جب یہ سب کچھ جاننے اور ہم سے زیادہ جاننے کے باوجود اس نے بچے اور ماں باپ کو یہ اذیت دینا گوارا کیا، جب ہمارے احساسات سے باز نہ ہونے کے باوجود اس نے ان کو پامال کرنا پسند کیا، جب ہماری خواہشات کا علم رکھنے کے باوجود اس نے ان کو پورا کرنے سے انکار کیا، تو ہم کو سمجھنا چاہیے کہ ایسا کرنا یقیناً ناگزیر ہی ہوگا، اور اس علیم و خیر کے علم میں اس سے بہتر کوئی دوسری صورت نہ ہوگی، ورنہ وہ اس بہتر صورت کو اختیار کرتا، کیونکہ وہ حکیم ہے، اور حکیم کے حق میں یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ اگر بہتر تدبیر ممکن ہو تو وہ اسے چھوڑ کر بدتر تدبیر اختیار کرے گا۔ اس میں شک نہیں کہ اس کی حکمتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں، اور نہیں آسکتیں، اس لیے کہ ہماری نظر پورے نظام عالم پر نہیں ہے، اور ہم نہیں جان سکتے کہ نظام عالم کے مصالح کیا ہیں، اور ان کے لیے کس وقت کوئی تدبیر ضروری ہے، لیکن اگر اجماعی طور پر ہم اللہ تعالیٰ کی حکمت و دانائی اور اس کے علم کامل پر صحیح اعتقاد رکھتے ہوں، تو ہر آفت کے نزول پر ہم سمجھ نہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اسی کی متقاضی ہوگی، اور اس کے علم میں ایسا ہی مناسب ہوگا، اور ہمارے لیے بجز تسلیم و رضا کے اور کوئی چارہ نہیں۔

پھر ایک دوسری بات جو غور و فکر سے ہم کو معلوم ہوتی ہے، یہ ہے کہ جو ہستی کائنات کے اس نظام کو چلا رہی ہے، اس کے پیش نظر خیر و شر ہے، اور اس خیر میں جو امور ہم کو شر اور فساد نظر آتے ہیں، وہ دراصل اعتباری شرور ہیں، یعنی افراد و اشخاص کی طرف قیاس کرتے ہوئے

ان کو ضرور کہا جاسکتا ہے، مگر حقیقت میں وہ سب خیر کلی ہی کے لیے ہیں، اور ان کا وقوع دراصل خیر کلی کے حصول کا ایک ناگزیر وسیلہ ہے۔ اگر یہ ضرور ناگزیر نہ ہوتے، اور ان کے بغیر خیر کلی کا حصول ممکن ہوتا تو خدا اے حکیم و عظیم ان کو اختیار نہ کرتا، اور کوئی دوسرا نظام تجویز نہ کرتا، خود ہم اپنی کمزوریوں اور نارسائیوں کے باوجود جب گہری نظر سے دیکھتے ہیں تو ہماری عقل حکم لگاتی ہے کہ کائنات کے لیے اس سے بہتر نظام ممکن نہیں ہے، اور کوئی ایسا نظام تجویز نہیں کیا جاسکتا جو ان جزوی و اعتباری شروئے سے مکسر خالی ہو بلکہ اگر یہ ضرور واقع نہ ہوں تو حقیقت میں ان کا عدم ایک بڑا شر ہوگا، کیونکہ وہ ایک خیر جزئی کی خاطر بہت سے خیرات کے حصول کو روک دے گا۔ مثال کے طور پر موت ہی کو سے لیجئے جس پر انسان سب سے زیادہ واویلا کرتا ہے۔ ایک شخص کی موت کتنے اشخاص کے لیے زندگی کا راستہ صاف کرتی ہے، اگر ایک شخص کو زندگی کا پروانہ دیدیا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ بہت سے اشخاص پر زندگی کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ اس کی زندگی اگر خیر ہے تو صرف اس کی ذات کے لیے لیکن خیر کلی کے اعتبار سے وہ ضرور مصلحت خلاف اس کے اس خاص شخص کی موت صرف اس کے لیے ایک جزئی شر ہے، لیکن یہی شریعت سے جزئی خیرات کے حصول کا ذریعہ بھی ہے۔ رہا خیر کلی تو اس خاص شخص کے مرجانے سے اس میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا، کیونکہ نظام عالم میں اس کی موت سے کوئی خلل نہیں آتا۔

اسی مثال پر قیاس کر کے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اشخاص پر جتنے مصائب نازل ہوتے ہیں وہ سب ایک اعتبار سے شر ہیں، اور دوسرے اعتبار سے وسیلہ خیر، اور خیر کلی کے لیے ان کا وقوع ناگزیر ہے۔ با اوقات ہم خود غور کر کے ان کے وسیلہ خیر ہونے کی حجت کو سمجھ لیتے ہیں۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تجربہ سے ہم پر ثابت ہو جاتا ہے کہ جس چیز کو پہلے ہم نے شر سمجھا تھا وہ حقیقت میں سبب خیر بھی۔ لیکن اگر کبھی کسی شر کی حجت خیر ہماری سمجھ میں نہ آئے تب بھی ہم کو محلاً اس حقیقت پر ایمان رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے بہتر کرتا ہے، اور ہماری خیریت اسی میں ہے کہ اس کی فضا رکے آگے سر جھکا دیں

خواہ اس کے فعل کی بعد باری سمجھیں آئے یا نہ آئے۔

ہمارے محترم نے جو سوال آخر میں پیش کیا ہے وہ ایک غلط فہمی پر مبنی ہے: بچے قیامت کے دن اپنے صابر ماں باپ کے لئے موجب ثواب ہوں گے۔ صرف اس لیے کہ ماں باپ نے ان کی موت جیسی مصیبت پر بھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا، اور قضا راہی کے آگے تسلیم خم کر دیا، اور اپنے ایمان میں فرق نہ آنے دیا لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ محض ماں باپ کو یہ فائدہ پہنچانے کے لیے بچوں کو ہلاک کرتا ہے۔ بچوں کی ہلاکت تو خدا ہی جانتا ہے کہ کن حکمتوں اور مصلحتوں کی بنا پر ہوتی ہے۔ البتہ جب وہ واقع ہو جاتی ہے، اور ماں باپ اس پر صبر کرتے ہیں، تو اس صبر کی جزا ان کو خدا کے ہاں عطا کر دی جاتی ہے۔ ان دونوں کے درمیان کوئی مقصدی تعلق نہیں ہے جیسا کہ سائل نے گمان کیا ہے۔